

تفسیر القرآن

فاطر

(۲)

لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو غنی و حمید ہے۔ وہ چاہے تو تمہیں بٹا کر کوئی

۳۶ یعنی اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ خدا تمہارا محتاج ہے۔ تم اسے خدا نہ مانو گے تو اس کی خدائی نہ چلے گی اور تم اس کی بندگی و عبادت نہ کرو گے تو اس کا کوئی نقصان ہو جائے گا۔ نہیں، اصل حقیقت یہ ہے کہ تم اس کے محتاج ہو۔ تمہاری زندگی ایک لمحہ کے لیے بھی قائم نہیں رہ سکتی اگر وہ تمہیں زندہ نہ رکھے اور وہ اسباب تمہارے لیے فراہم نہ کرے جن کی بدولت تم دنیا میں زندہ رہتے اور کام کر سکتے ہو۔ لہذا تمہیں اس کی طاعت و عبادت اختیار کرنے کی جو تاکید کی جاتی ہے وہ اس لیے نہیں ہے کہ خدا کو اس کی احتیاج ہے بلکہ اس لیے ہے کہ اسی پر تمہاری اپنی دنیا اور آخرت کی فلاح کا انحصار ہے۔ ایسا نہ کرو گے تو اپنا ہی سب کچھ بگاڑ لو گے، خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔

۳۷ غنی سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے، ہر ایک سے مستغنی اور بے نیاز ہے کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔ اور حمید سے مراد یہ ہے کہ وہ آپسے آپ محمود ہے، کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے مگر حمد و شکر اور تعریف کا استحقاق اسی کو پہنچتا ہے۔ ان دونوں صفات کو ایک ساتھ اس لیے لایا گیا ہے کہ محض غنی تو وہ بھی ہو سکتا ہے جو اپنی دولت مندی سے کسی کو نفع نہ پہنچائے۔ اس صورت میں وہ غنی تو ہو گا مگر حمید نہ ہو گا۔ حمید وہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہ کسی سے خود کو کوئی فائدہ نہ اٹھائے مگر اپنی دولت کے خزانوں سے دوسروں کو ہر طرح کی نعمتیں عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ ان دونوں صفات میں کامل ہے اس لیے فرمایا گیا کہ وہ محض غنی نہیں ہے بلکہ ایسا غنی ہے جسے ہر تعریف

نئی خلقت تمہاری جگہ لے آئے، ایسا کرنا اللہ کے لیے کچھ بھی دشوار نہیں ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور اگر کوئی لدا ہوا نفس اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے پکارے گا تو اس کے بار کا ایک ادنیٰ حصہ بھی ثبات کے لیے کوئی نہ آئے گا چاہے وہ قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ (آسے نبی، تم تو صرف انہی لوگوں کو مستفید کر سکتے ہو جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرنے میں لگے۔ جو شخص بھی پاکیزگی اختیار اور شکر کا استحقاق پہنچاتا ہے کیونکہ وہ تمہاری اور تمام موجوداتِ عالم کی حاجتیں پوری کر رہا ہے۔

۸۷ یعنی تم کچھ اپنے بل بوتے پر اس کی زمین میں نہیں دیکھنا چاہو۔ اس کا ایک اشارہ اس بات کے لیے کافی ہے کہ تمہیں یہاں سے ہٹنا کرے اور کسی اور قوم کو تمہاری جگہ اٹھا کر رکھے۔ لہذا اپنی اوقات کو پہچانو اور وہ روش اختیار نہ کرو جس سے آخر کار قوموں کی شامت آیا کرتی ہے۔ خدا کی طرف سے جب کسی کی شامت آتی ہے تو ساری کائنات میں کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو اس کا ہاتھ پکڑ سکے اور اس کے فیصلے کو نافذ ہونے سے روک سکے۔

۸۸ ”بوجھ“ سے مراد اعمال کی ذمہ داریوں کا بوجھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہاں شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے، اور ہر ایک پر صرف اس کے اپنے ہی عمل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس امر کا کوئی امکان نہیں ہے کہ ایک شخص کی ذمہ داری کا بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی دوسرے پر ڈال دیا جائے۔ اور نہ ہی ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی ذمہ داری کا بار خود اپنے اوپر لے لے اور اسے بچانے کے لیے اپنے آپ کو اس کے جرم میں پکڑے۔ یہ بات یہاں اس بنا پر فرمائی جا رہی ہے کہ مکہ معظمہ میں جو لوگ اسلام قبول کر رہے تھے اُن سے اُن کے مشرک رشتہ دار اور بلادی کے لوگ کہتے تھے کہ تم ہمارے کہنے سے اس نئے دین کو چھوڑ دو اور دینِ آباؤی پر قائم رہو، عذابِ ثواب ہماری گردن پر۔

۸۹ اوپر کے فقرے میں اللہ کے قانونِ عدل کا بیان ہے کہ وہ ایک کے گناہ میں دوسرے کو نہ پکڑے گا، بلکہ ہر ایک کو اس کے اپنے ہی گناہ کا ذمہ دار ٹھہرائے گا۔ اور اس فقرے میں یہ بتایا گیا ہے

©rasailojaraid.com

سنواتا ہے، مگر اسے نبی اتم اُن لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں۔ تم تو بس ایک خبردار کرنے والے ہو۔ ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے بشارت و نذیر والا اور ڈرانے والا بنا کر۔ اور کوئی امت ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔

کہ دونوں کا انجام یکساں ہو اور دونوں ہی مر کر فنا ہو جائیں، نہ ایک کو بدراہی کی سزا ملے، نہ دوسرا راست روی کا کوئی انعام پائے؟ ٹھنڈی چھاؤں اور دھوپ کی تپش ایک جیسی نہیں ہے، مگر اشارہ اسی انجام کی طرف ہے کہ ایک اللہ کے سایہ رحمت میں جگہ پانے والا ہے اور دوسرا جہنم کی تپش میں جھنسنے والا ہے۔ تم کس خیال خام میں مبتلا ہو کہ آخر کار دونوں ایک ہی انجام سے دوچار ہونگے آخر میں مومن کو زندہ سے اور مہٹ دھرم کافروں کو مردہ سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی مومن وہ ہے جس کے اندر احساس و ادراک اور فہم و شعور موجود ہے اور اس کا غمیر اُسے بھلے اور بُرے کی تمیز سے ہر وقت آگاہ کر رہا ہے۔ اور اس کے برعکس جو شخص کفر کے تعصب میں پوری طرح غرق ہو چکا ہے اس کا حال اُس اندھے سے بھی بدتر ہے جو تاریکی میں بھٹک رہا ہو، اس کی حالت تو اُس مرے کی سی ہے جس میں کوئی جس باقی نہ رہی ہو۔

۵۳ یعنی اللہ کی مشیت کی تو بات ہی دوسری ہے، وہ چاہے تو پتھروں کو سماعت بخش دے، لیکن رسول کے بس کا یہ کام نہیں ہے کہ جن لوگوں کے سینے ضمیر کے مدفون بن چکے ہوں اُن کے لوں میں اپنی بات اتار سکے اور جو بات سننا ہی نہ چاہتے ہوں اُن کے ہرے کانوں کو صدائے حق سناسکے۔ وہ تو انہی لوگوں کو سنا سکتا ہے جو معقول بات پر کان دھرنے کے لیے تیار ہوں۔ ۵۴ یعنی تمہارا کام لوگوں کو خبردار کر دینے سے زائد کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی ہوش میں نہیں آتا اور اپنی گمراہیوں ہی میں بھٹکتا رہتا ہے تو اس کی کوئی ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ اندھوں کو دکھانے اور بہروں کو سنانے کی خدمت تمہارے سپرد نہیں کی گئی ہے۔

۵۵ یہ بات قرآن مجید میں متعدد مقامات پر فرمائی گئی ہے کہ دنیا میں کوئی امت ایسی نہیں گزری ہے جس کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی مبعوث نہ فرمائے ہوں۔ سورہ رعد میں فرمایا

اب اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلے دلائل اور صحیفے اور روشن ہدایات دینے والی کتابیں لیکر آئے تھے۔ پھر جن لوگوں نے نہ مانا ان کو میں نے پکڑ لیا اور دیکھ لو کہ میری سزا کبھی سخت تھی یا کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال دیتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں بھی سفید برف اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور موشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں

وَكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (آیت ۷) سورہ حجر میں فرمایا وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْعِ الْأَوَّلِينَ (آیت ۱) سورہ نمل میں فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا (آیت ۳۶)۔ سورہ شعراء میں فرمایا وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَوْمٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرٌ (آیت ۲۰۸) مگر اس سلسلے میں دو باتیں سمجھ لینی چاہئیں تاکہ کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ اول یہ کہ ایک نبی کی تبلیغ جہاں جہاں تک پہنچ سکتی ہو وہاں کے لیے وہی نبی کافی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر برہمنی اور ہر قوم میں الگ الگ ہی انبیاء بھیجے جائیں۔ دوم یہ کہ ایک نبی کی دعوت و ہدایت کے آثار اور اس کی رہنمائی کے نقوش قدم جب تک محفوظ رہیں اُس وقت تک کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ لازم نہیں کہ ہر نسل اور ہر نشیت کے لیے الگ نبی بھیجا جائے۔

۷۱۱ یعنی ایسے دلائل جو اس بات کی صاف شہادت دیتے تھے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

۷۱۲ صحیفوں اور کتاب میں غالباً یہ فرق ہے کہ صحیفے زیادہ تر فصلی اور اخلاقی ہدایات پر مشتمل ہوتے

تھے، اور کتاب ایک پوری شریعت لے کر آتی تھی۔

۷۱۳ اس سے یہ سمجھنا مقصود ہے کہ خدا کی پیدا کردہ کائنات میں کہیں بھی ایک رنگی و یکسانی نہیں

ہے۔ ہر طرف تنوع ہی تنوع ہے۔ ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی سے طرح طرح کے درخت نکل رہے ہیں

اور ایک درخت کے دو پھل تک اپنے رنگ، جسامت اور مزے میں یکساں نہیں ہیں۔ ایک ہی پہاڑ کو

دیکھو تو اس میں کئی کئی رنگ تمہیں نظر آئیں گے اور اس کے مختلف حصوں کی مادی ترکیب میں بڑا فرق پایا

صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست اور
 جاثی گا۔ انسانوں اور جانوروں میں ایک ماں باپ کے دو بچے نمک بکریاں نہ ملیں گے۔ اس کائنات میں
 اگر کوئی مزاجوں اور طبیعتوں اور ذہنیاتوں کی کیسانی ڈھونڈے اور وہ اختلافات دیکھ کر گھبرا اٹھے جن کی
 طرف اوپر آیات نمبر ۱۹ تا ۲۴ میں اشارہ کیا گیا ہے تو یہ اس کے اپنے فہم کی کوتاہی ہے۔ یہی تدرع اور
 اختلاف تو پتہ دے رہا ہے کہ اس کائنات کو کسی زبردست حکیم نے بے شمار نعمتوں کے ساتھ پیدا کیا
 ہے اور اس کا بنانے والا کوئی بے نظیر خلاق اور بے مثل صنّاع ہے جو ہر چیز کا کوئی ایک ہی نمونہ لیکر نہیں
 بیٹھ گیا ہے، بلکہ اس کے پاس ہر شے کے لیے نئے سے نئے ڈیزائن اور بے حد و حساب ڈیزائن ہیں۔
 پھر خاص طور پر انسانی طبائع اور اذہان کے اختلاف پر کوئی شخص غور کرے تو اسے معلوم ہو سکتا ہے کہ
 یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ درحقیقت حکمتِ تخلیق کا شاہ کار ہے۔ اگر تمام انسان پیدا کنشی طور پر
 اپنی افتادِ طبع اور اپنی خواہشات، جذبات، میلانات اور طرزِ فکر کے لحاظ سے یکساں بنا دیئے جاتے
 اور کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہ رکھی جاتی تو دنیا میں انسان کی قسم کی ایک نئی مخلوق پیدا کرنا ہی سرے
 سے لاحاصل ہو جاتا۔ خالق نے جب اس زمین پر ایک ذمہ دار مخلوق اور اختیارات کی حامل مخلوق
 وجود میں لانے کا فیصلہ کیا تو اس فیصلے کی نوعیت کا لازمی تقاضا یہی تھا کہ اس کی ساخت میں ہر قسم کے
 اختلافات کی گنجائش رکھی جاتی۔ یہ چیز اس بات کی سب سے بڑی شہادت ہے کہ انسان کسی اتفاقی حادثے
 کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک عظیم الشان حکیمانہ منصوبے کا نتیجہ ہے اور ظاہر ہے کہ حکیمانہ منصوبہ جہاں
 بھی پایا جائے گا وہاں لازماً اس کے پیچھے ایک حکیم ہستی کا فرمان ہوگی۔ حکیم کے بغیر حکمت کا وجود صرف
 ایک احمق ہی فرض کر سکتا ہے۔

۲۴۹ یعنی جو شخص اللہ کی صفات سے بننا زیادہ ناواقف ہو گا وہ اس سے اتنا ہی بے خوف
 ہو گا اور اس کے برعکس جس شخص کو اللہ کی قدرت، اس کے علم، اس کی حکمت، اس کی قہاری و
 جباری، اور اس کی دوسری صفات کی جتنی معرفت حاصل ہوگی اتنا ہی وہ اس کی نافرمانی سے خوف
 کھائے گا۔ پس درحقیقت اس آیت میں علم سے مراد فلسفہ و سائنس اور تاریخ و ریاضی وغیرہ دسی

درگزر فرمائے والا ہے۔

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں، یقیناً وہ ایک ایسی تجارت کے متوقع ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا۔ (اس تجارت میں انہوں نے اپنا سب کچھ اس لیے بھپایا ہے) تاکہ اللہ ان کے اجر پورے کے پورے اُن کو دے اور مزید اپنے فضل سے ان کو عطا فرمائے۔

علوم نہیں ہیں بلکہ صفات الہی کا علم ہے قطع نظر اس سے کہ آدمی خواندہ یا ناخواندہ۔ جو شخص خدا سے بے خوف ہے وہ علامہ دہر بھی ہو تو اس علم کے لحاظ سے جاہل محض ہے۔ اور جو شخص خدا کی صفات کو جانتا ہے اور اس کی خشیت اپنے دل میں رکھتا ہے وہ اُن پر بھی ہو تو ذی علم ہے۔ اسی سلسلے میں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ اس آیت میں لفظ "علماء" سے وہ اصطلاحی علماء بھی مراد نہیں ہیں جو قرآن و حدیث اور فقہ و کلام کا علم رکھنے کی بنا پر علمائے دین کہے جاتے ہیں۔ وہ اس آیت کے مصداق صرف اسی صورت میں ہوں گے جبکہ ان کے اندر خدا ترسی موجود ہو۔ یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمائی ہے کہ لیس العلم عن كثرة الحديث ولكن العلم عن كثرة الخشية "علم کثرت حدیث کی بنا پر نہیں ہے بلکہ خوف خدا کی کثرت کے لحاظ سے ہے" اور یہی بات حضرت حسن بصریؒ نے فرمائی ہے کہ العالم من خشي الرحمن بالغيب و رغب فيما رغب الله فيه و زهد فيما سخط الله فيه "عالم وہ ہے جو اللہ سے بے، دیکھے ڈرے، جو کچھ اللہ کو پسند ہے اس کی طرف وہ راغب ہو، اور جس چیز سے اللہ ناراض ہے اس سے وہ کوٹھلی و لچپی نہ رکھے"۔

نہے یعنی وہ زبردست تو ایسا ہے کہ نا فرمانوں کو جیب چاہے پکڑ لے، کسی میں یارا نہیں کہ اس کی پکڑ سے بچ سکے، مگر یہ اس کی شان عفو و درگزر ہے جس کی بنا پر ظالموں کو مہلت ملے جا رہی ہے۔
اے اہل ایمان کے اس عمل کو تجارت سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ آدمی تجارت میں اپنا سرمایہ اور محنت و قابلیت اس امید پر صرف کرتا ہے کہ نہ صرف اصل واپس ملیگا، اور نہ صرف وقت اور محنت کی اجرت ملے گی، بلکہ کچھ فرید منافع بھی حاصل ہوگا۔ اسی طرح ایک مومن بھی خدا کی فرمانبرداری

بے شک اللہ بخشنے والا اور قدر دان ہے۔ (اے نبی) جو کتاب ہم نے تمہاری طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے وہی حق ہے، تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے اُن کتابوں کی جو اس سے پہلے آئی تھیں۔ بے شک اللہ باخبر ہے اور ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنا دیا اُن لوگوں کو جنہیں ہم نے اس وراثت کے لیے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔

میں، اس کی بندگی و عبادت میں، اور اس کے دین کی خاطر جدوجہد میں اپنا مال، اپنے اوقات، اپنی محنتیں اور قابلیتیں اس امید پر کھپا دیتا ہے کہ نہ صرف ان سب کا پورا پورا اجر ملے گا بلکہ اللہ اپنے فضل سے مزید بہت کچھ عنایت فرمائے گا۔ مگر دونوں تجارتوں میں فرق اور بہت بڑا فرق اس بنا پر ہے کہ دنیوی تجارت میں محض نفع ہی کی امید نہیں ہوتی، گھاٹے اور دیولتے تک کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے جو تجارت ایک مخلص بندہ اپنے خدا کے ساتھ کرتا ہے اُس میں کسی خسارے کا اندیشہ نہیں۔

۱۲۔ یعنی مخلص اہل ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اُس تنگ دل آقا کا سا نہیں ہے جو بات بات پر گرفت کرتا ہو اور ایک فراسی خطا پر اپنے ملازم کی ساری خدمتوں اور وفاداریوں پر پانی پھیر دیتا ہو۔ وہ فیاض اور کریم آقا ہے۔ جو بندہ اس کا وفادار ہو اس کی خطاؤں پر چشم پوشی سے کام لیتا ہے اور جو کچھ بھی خدمت اس سے بن آئی ہو اس کی قدر فرماتا ہے۔

۱۳۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی نرالی بات نہیں پیش کر رہی ہے جو پچھلے انبیاء کی لائی ہوئی تعلیمات کے خلاف ہو، بلکہ اسی ازلی وابدی حق کو پیش کر رہی ہے جو ہمیشہ سے تمام انبیاء پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔

۱۴۔ اللہ کی ان صفات کو یہاں بیان کرنے کا مقصد اس حقیقت پر متنبہ کرنا ہے کہ بندوں کے لیے خیر کس چیز میں ہے، اور ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کیا اصول موزوں ہیں، اور کون سے ضابطے ٹھیک ٹھیک اُن کی مصلحت کے مطابق ہیں، ان امور کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا، کیونکہ بندوں کی فطرت اور اُس کے تقاضوں سے وہی باخبر ہے، اور ان کے حقیقی مصالح پر وہی نگاہ رکھتا ہے۔ بندے خود اپنے آپ کو اتنا نہیں جانتے جتنا ان کا خالق اُن کو جانتا ہے۔ اس لیے حق وہی ہے اور وہی ہو سکتا ہے

اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، اور کوئی بیچ کی راس ہے، اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے یہی بہت بڑا فضل ہے۔ ہمیشگی جو اس نے وحی کے ذریعہ سے بتا دیا ہے۔

۵۵ مراد میں مسلمان جو پوری نوع انسانی میں سے چھانٹ کر نکالے گئے ہیں تاکہ وہ کتاب اللہ کے وارث ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُسے لیکر اٹھیں۔ اگرچہ کتاب پیش تو کی گئی ہے سارے انسانوں کے سامنے۔ مگر جنہوں نے آگے بڑھ کر اُسے قبول کر لیا وہی اس شرف کے لیے منتخب کر لیے گئے کہ قرآن جیسی کتاب عظیم کے وارث اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے رسول عظیم کی تعلیم و ہدایت کے امین بنیں۔

۵۶ یعنی یہ مسلمان سب کے سب ایک ہی طرح کے نہیں ہیں، بلکہ یہ تین طبقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔

(۱) اپنے نفس پر ظلم کرنے والے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سچے دل سے اللہ کی کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان داری کے ساتھ اللہ کا رسول تو مانتے ہیں، مگر عملاً کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پیروی کا حق ادا نہیں کرتے۔ مومن ہیں مگر گناہ گار ہیں۔ مجرم ہیں مگر باغی نہیں ہیں ضعیف الایمان ہیں مگر منافق اور دل و دماغ سے کافر نہیں ہیں۔ اسی لیے ان کو ظالم لنفسہ ہونے کے باوجود وارثین کتاب میں داخل اور خدا کے چُنے ہوئے بندوں میں شامل کیا گیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ باغیوں اور منافقوں اور قلب و ذہن کے کافروں پر ان اوصاف کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ تینوں درجات میں سے اس درجہ کے اہل ایمان کا ذکر سب سے پہلے اس لیے کیا گیا ہے کہ تعداد کے لحاظ سے امت میں کثرت انہی کی ہے۔

(۲) بیچ کی راس۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس وراثت کا حق کم و بیش ادا تو کرتے ہیں مگر پوری طرح نہیں کرتے۔ فرماں بردار بھی ہیں اور خطا کار بھی۔ اپنے نفس کو بالکل بے لگام نہ انہوں نے نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اسے خدا کا مطیع بنانے کی اپنی حد تک کوشش کرتے ہیں، لیکن کبھی یہ اس کی باگیں ڈھیلی بھی چھوڑ دیتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ان کی زندگی اچھے اور بُرے، دونوں طرح کے اعمال کا مجموعہ بن جاتی ہے۔ یہ تعداد میں پہلے گروہ سے کم اور تیسرے گروہ سے زیادہ ہیں اس لیے ان کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے

کے قیام کی جنتیں ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے۔ وہاں انہیں سونے کے کنگنوں (۳) نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ یہ وارثین کتاب میں صفت اول کے لوگ ہیں یہی دراصل اس وراثت کا حق ادا کرنے والے ہیں۔ یہ اتباع کتاب و سنت میں بھی پیش پیش ہیں، خدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے میں بھی پیش پیش، دین حق کی خاطر قربانیاں کرنے میں بھی پیش پیش، اور بھلائی کے ہر کام میں پیش پیش۔ یہ دانستہ معصیت کرنے والے نہیں ہیں۔ اور نادانستہ کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر متنبہ ہوتے ہی ان کی پیشانیاں شرم سے عرق آلود ہو جاتی ہیں۔ ان کی تعداد اامت میں پہلے دونوں گروہوں سے کم ہے اس لیے ان کا آخر میں ذکر کیا گیا ہے اگرچہ وراثت کا حق ادا کرنے کے معاملہ میں ان کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔

”یہی بہت بڑا فضل ہے۔“ اس فقرے کا تعلق اگر قریب ترین فقرے سے مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نیکیوں میں سبقت کرنا ہی بڑا فضل ہے اور جو لوگ ایسے ہیں وہ امت مسلمہ میں سب سے افضل ہیں۔ اور اس فقرے کا تعلق پہلے فقرے سے مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ کتاب اللہ کا وارث ہونا اور اس وراثت کے لیے چن لیا جانا بڑا فضل ہے، اور خدا کے تمام بندوں میں وہ بند سب سے افضل ہیں جو قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر اس انتخاب میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ عہد مفسرین میں سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اس فقرے کا تعلق قریب ترین دونوں فقروں سے ہے، یعنی نیکیوں پر سبقت کرنے والے ہی بڑی فضیلت رکھتے ہیں اور وہی ان جنتوں میں داخل ہوں گے۔ رہے پہلے دو گروہ، تو ان کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے تاکہ وہ اپنے انجام کے معاملہ میں فکر مند ہوں اور اپنی موجودہ حالت سے نکل کر آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ اس رشتے کو علامہ زحشری نے بڑے زور کے ساتھ بیان کیا ہے اور امام رازی نے اس کی تائید کی ہے۔

لیکن مفسرین کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اس کا تعلق اوپر کی پوری عبارت سے ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ امت کے یہ تینوں گروہ بالآخر جنت میں داخل ہوں گے، خواہ محاسبہ کے بغیر یا

محاسبہ کے بعد، خواہ ہر مواخذہ سے محفوظ رہ کر یا کوئی سزا پانے کے بعد۔ اسی تفسیر کی تائید قرآن کا سیاق و سباق کرتا ہے، کیونکہ آگے چل کر وارثین کتاب کے بالمقابل دوسرے گروہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ "اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے جہنم کی آگ ہے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اس کتاب کو مان لیا ہے ان کے لیے جنت ہے اور جنہوں نے اس پر ایمان لانے سے انکار کیا ہے ان کے لیے جہنم۔ پھر اسی کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث کرتی ہے جسے حضرت ابو اللہ داد نے روایت کیا ہے اور امام احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی بیہقی اور بعض دوسرے محدثین نے اسے نقل کیا ہے۔ اس میں حضور فرماتے ہیں:

جو لوگ نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں وہ جنت میں کسی حساب کے بغیر داخل ہوں گے۔ اور جو بیچ کی اس رہے ہیں ان سے محاسبہ ہوگا مگر بکا محاسبہ ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو وہ محشر کے پورے طویل عرصہ میں روک رکھے جائیں گے۔ پھر انہی کو اللہ اپنی رحمت میں سے لیگا اور یہی لوگ ہیں جو کہیں گے کہ شکر ہے اُس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔

فاما الذين سبقوا فاولئك الذين يدخلون الجنة بغير حساب، واما الذين اقتصدوا فاولئك الذين يحاسبون حسابا يسيرا، واما الذين ظلموا انفسهم فاولئك يحاسبون طول المحشر ثم هم الذين تتقاهم الله برحمته فهم الذين يقولون الحمد لله الذي اذهب عنا الحزن۔

اس حدیث میں حضور نے اس آیت کی پوری تفسیر خود بیان فرمادی ہے اور اہل ایمان کے تینوں طبقوں کا انجام الگ الگ بتا دیا ہے۔ بیچ کی اس والوں سے بکا محاسبہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو تو ان کے کفر کے علاوہ اُن کے ہر برے عزم کی جہاد کا نہ منرا بھی دی جائے گی، مگر اس کے برعکس اہل ایمان میں جو لوگ اچھے اور بُرے دونوں طرح کے اعمال لیکر پہنچیں گے اُن کی نیکیوں اور ان کے گناہوں کا مجموعی محاسبہ ہوگا یہ نہیں ہوگا کہ ہر نیکی کی الگ جزا اور ہر قصور کی الگ سزا دی جائے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اہل ایمان میں سے جن لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہوگا وہ محشر کے پورے عرصے میں روک رکھے جائیں گے۔

اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا، وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا، اور وہ کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا، یقیناً ہمارا رب معاف کرنے والا اور قدر فرمانے والا ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے ابدی قیام کی جگہ ٹھہرا دیا، اب یہاں نہ ہمیں کوئی مشقت پیش آتی ہے اور نہ نکان لاحق ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہنم میں نہیں ڈالے جائیں گے بلکہ ان کو تا برخواست عدالت کی مرادی جائے گی، یعنی روزِ حشر کی پوری غویل مدت (جو نہ معلوم کتنی صدیوں کے برابر طویل ہوگی) اُن پر اپنی ساری سختیوں کے ساتھ گزر جائے گی، یہاں تک کہ آخر کار اللہ ان پر رحم فرمائے گا اور خاتمہِ عدالت کے وقت حکم دے گا کہ اچھا، انہیں بھی جنت میں داخل کر دو۔

اسی مضمون کے متعدد اقوال محدثین نے بہت سے صحابہ، مثلاً حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عائشہ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت براء بن عازب سے نقل کیے ہیں، اور ظاہر ہے کہ صحابہ ایسے معاملات میں کوئی بات اُس وقت تک نہیں کہہ سکتے تھے جب تک انہوں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو نہ سنا ہو۔

میں ہر قسم کا غم۔ دنیا میں جن فکروں اور پریشانیوں میں ہم مبتلا تھے اُن سے بھی نجات ملی، عقیقی میں اپنے انجام کی جو فکر لاحق تھی وہ بھی ختم ہوئی، اور اب آگے نہیں ہی چلے، کسی رنج و الم کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہا۔

وہ یعنی ہمارے قصور اس نے معاف فرما دیئے اور عمل کی جو تھوڑی سی پونجی ہم ہٹے تھے اس کی ایسی قدر فرمائی کہ اپنی جنت اس کے بدلے ہمیں عطا فرمادی۔

یعنی دنیا ہماری سفرِ حیات کی ایک منزل تھی جس سے ہم گزر آئے ہیں، اور میدانِ حشر بھی اس سفر کا ایک مرحلہ تھا جس سے ہم گزرے ہیں، اب ہم اُس جگہ پہنچ گئے ہیں جہاں سے نکل کر پھر کہیں جانا نہیں ہے۔

اللہ بالفاظِ دیگر ہماری تمام محنتوں اور تکلیفوں کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اب یہاں ہمیں کوئی ایسا کام

اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ اُن کا قصہ پاک کر دیا جائے گا کہ مر جائیں اور نہ اُن کے لیے جہنم کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی۔ اس طرح ہم بڑے دیتے ہیں ہر اُس شخص کو جو کفر کرنے والا ہو۔ وہ وہاں پہنچ چکے کہیں گے کہ ”اے ہمارے رب، ہمیں یہاں سے نکال دے، اب ہم نیک عمل کریں گے اُن اعمال سے مختلف جو پہلے کرتے رہے تھے۔“ (انہیں جواب دیا جائے گا) ”کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جس میں کوئی سببی لینا چاہتا تو سببی لے سکتا تھا؟ اور تمہارے پاس متنبیہ کرنے والا بھی آچکا تھا۔ اب مڑا چکو۔ ظالموں کا اب یہاں کوئی مددگار نہیں ہے۔“ ع

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز سے واقف ہے، وہ تو سمیٹوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔ وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ اب نہیں کرنا پڑتا جس کے انجام دینے میں ہم کو مشقت پیش آتی ہو اور جس سے فارغ ہو کر ہم تھک جاتے ہوں۔ اللہ یعنی اُس کتاب کو ماننے سے انکار کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے۔

۱۱۳ اس سے مراد ہر وہ عمر ہے جس میں آدمی اس قابل ہو سکتا ہو کہ اگر وہ نیک و بد اور حق و باطل میں امتیاز کرنا چاہے تو کر سکے اور گمراہی چھوڑ کر ہدایت کی طرف رجوع کرنا چاہے تو کر سکے۔ اس عمر کو پہنچنے سے پہلے اگر کوئی شخص مر چکا ہو تو اس آیت کی رو سے اُس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ البتہ جو اس عمر کو پہنچ چکا ہو وہ اپنے عمل کے لیے لازماً جواب دہ قرار پائے گا، اور پھر اس عمر کے شروع ہو جانے کے بعد جتنی مدت بھی وہ زندہ رہے اور سنبھلی کہ راہِ راست پر گرنے کے لیے جتنے مواقع بھی اسے ملنے چاہیں اتنی ہی اس کی ذمہ داری شدید تر ہوتی چلی جائے گی، یہاں تک کہ جو شخص بڑھاپے کو پہنچ کر بھی سیدھا نہ ہو اس کے لیے کسی عذر کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ یہی بات ہے جو ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سہیل بن سعدؓ ساعدی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمائی ہے کہ جو شخص کم عمر پائے اس کے لیے تو عذر کا موقع ہے، مگر ۶۰ سال اور اس سے اوپر عمر پانے والے

جو کوئی کفر کرتا ہے اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے^{۶۵}، اور کافروں کو ان کا کفر اس کے سوا کوئی ترقی نہیں دیتا کہ ان کے رب کا غضب ان پر زیادہ سے زیادہ بھڑکتا چلا جاتا ہے۔ کافروں کے لیے خسارے میں اضافے کے سوا کوئی ترقی نہیں۔

راے نبی، ان سے کہو، کبھی تم نے دیکھا بھی ہے اپنے ان شرکیوں کو جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہو؟ مجھے بتاؤ، انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں میں ان کی کیا شرکت ہے؟ اگر یہ نہیں بتا سکتے تو ان سے پوچھو، کیا ہم نے انہیں کوئی تحریر لکھ کر دی ہے جس کی بنا پر یہ اپنے اس شرک کے لیے کوئی صاف سند رکھتے ہوں؟ نہیں، بلکہ یہ ظلم ایک

کے لیے کوئی عذر نہیں ہے (بخاری، احمد، نسائی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ)۔

۶۴ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ اس نے پچھلی نسلیں اور قوموں کے گزر جانے کے بعد اب تم کو ان کی جگہ اپنی زمین میں بسایا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اس نے تمہیں زمین میں تصرف کے جو اختیارات دیئے ہیں وہ اس حیثیت سے نہیں ہیں کہ تم ان چیزوں کے مالک ہو، بلکہ اس حیثیت سے ہیں کہ تم اصل مالک کے خلیفہ ہو۔

۶۵ اگر پہلے فقرے کا یہ مطلب لیا جائے کہ تم کو پچھلی قوموں کا جانشین بنایا ہے تو اس فقرے کے معنی یہ ہوں گے کہ جس نے گزشتہ قوموں کے انجام سے کوئی سبق نہ لیا اور وہی کفر کا رویہ اختیار کیا جس کی بدولت وہ قومیں تباہ ہو چکی ہیں وہ اپنی اس حماقت کا نتیجہ بد دیکھ کر رہے گا۔ اور اگر اس فقرے کا مطلب یہ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے خلیفہ کی حیثیت سے زمین میں اختیارات عطا کیے ہیں تو اس فقرے کے معنی یہ ہوں گے کہ جو اپنی حیثیت خلافت کو بھول کر خود مختار بن بیٹھا یا جس نے اصل مالک کو چھوڑ کر کسی اور کی بندگی اختیار کر لی وہ اپنی اس باغیانہ روش کا بُرا انجام دیکھ لے گا۔

۶۶ ”اپنے شریک“ کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا گیا ہے کہ درحقیقت وہ خدا کے شریک تو ہیں نہیں، مشرکین نے ان کو اپنے طور پر اس کا شریک بنا رکھا ہے۔

دوسرے کو محض فریب کے جھانسنے دیئے جا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو ٹل جانے سے روکے ہوئے ہے، اور اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے بعد کوئی دوسرا انہیں تھامنے والا نہیں ہے۔ بے شک اللہ بڑا حلیم اور درگزر فرمانے والا ہے۔

یعنی کیا ہمارا کچھ بٹوا کوئی پروانہ ان کے پاس ایسا ہے جس میں ہم نے یہ تحریر کیا ہو کہ فلاں فلاں انخاص کو ہم نے بیماروں کو تندرست کرنے، یا بے روزگاروں کو روزگار دلوانے، یا حاجتمندوں کی حاجتیں پوری کرنے کے اختیارات دیئے ہیں، یا فلاں فلاں بستیوں کو ہم نے اپنی زمین کے فلاں حصوں کا مختار بنا دیا ہے اور ان علاقوں کے لوگوں کی قسمیں بنانا اور لگا کر تاب ان کے ہاتھ میں ہے، لہذا ہمارے بندوں کو اب انہی سے دعائیں مانگنی چاہئیں اور انہی کے حضور مندریں اور نیازیں بڑھانی چاہئیں اور جو نعمتیں بھی میں اُن پر انہی "چھوٹے خداؤں" کا شکر بجالانا چاہیے۔ ایسی کوئی سند اگر تمہارے پاس ہے تو لاؤ اسے پیش کرو۔ اور اگر نہیں ہے تو خود ہی سوچو کہ یہ مشرکانہ عقائد اور اعمال آخر تم نے کس بنیاد پر ایجاد کر لیے ہیں تم سے پوچھا جاتا ہے کہ زمین اور آسمان میں کہیں تمہارے ان بناوٹی معبودوں کے شریک خدا ہونے کی کوئی علامت پائی جاتی ہے؟ تم اس کے جواب میں کسی علامت کی نشان دہی نہیں کر سکتے تم سے پوچھا جاتا ہے کہ خدا نے اپنی کسی کتاب میں یہ فرمایا ہے، یا تمہارے پاس یا ان بناوٹی معبودوں کے پاس خدا کا دیا ہوا کوئی پروانہ ایسا موجود ہے جو اس امر کی شہادت دیتا ہو کہ خدا نے خود انہیں وہ اختیارات عطا فرمائے ہیں جو تم ان کی طرف منسوب کر رہے ہو؟ تم وہ بھی پیش نہیں کر سکتے۔ اب آخر وہ چیز کیا ہے جس کی بنا پر تم اپنے یہ عقیدے بناٹے بیٹھے ہو؟ کیا تم خدا کی مالک ہو کہ خدا کے اختیارات جس جس کو چاہو بانٹ دو؟

یعنی یہ پیشوا اور پیر، یہ نپڈت اور پروہت، یہ کامن اور واعظ، یہ مجاور اور ان کے الحین محض اپنی دوکان چمکانے کے لیے عوام کو اُتو بنا رہے ہیں اور طرح طرح کے قصے گھڑ گھڑ کر لوگوں کو یہ جھوٹے بھروسے دلارہے ہیں کہ خدا کو چھوڑ کر فلاں فلاں بستیوں کے دامن تھام لو گے تو دنیا میں تمہارے سارے کام بن جائیں گے اور آخرت میں تم چاہے کتنے ہی گناہ سمیٹ کر لے جاؤ، وہ اللہ سے تمہیں بخشوا لیں گے۔

یعنی یہ آتھاہ کائنات اللہ تعالیٰ کے قائم رکھنے سے قائم ہے۔ کوئی فرشتہ یا جن یا نبی یا ولی

یہ لوگ کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی خبردار کرنے والا ان کے پاس آگیا ہوتا تو یہ دنیا کی ہر دوسری قوم سے بڑھ کر راست رو ہوتے۔ مگر جب خبردار کرنے والا ان کے پاس آگیا تو اس کی آمد نے ان کے اندر حق سے فرار کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کیا۔ یہ زمین میں اور زیادہ آشکار کرنے لگے اور بُری بُری چالیں چلنے لگے، حالانکہ بُری چالیں اپنے چلنے والوں ہی کو بے ہمتی ہیں۔ اب کیا یہ لوگ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ کچھ قوموں کے ساتھ اللہ کا جو طریقہ رہا ہے وہی ان کے ساتھ بھی بڑھا جائے؟ یہی بات ہے تو تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے کیا یہ لوگ زمین میں کبھی چلے پھرے نہیں ہیں کہ انہیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے؟ اللہ کو کوئی چیز عاجز کرنے والی نہیں ہے، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اگر کہیں وہ لوگوں کو اُن کے کیے کرتوتوں پر پکڑتا تو زمین پر کسی متنفس کو جتنا نہ چھوڑتا مگر وہ انہیں ایک مقرر وقت تک کے لیے مہلت دے رہا ہے۔ پھر جب ان کا وقت آئے پورا ہو گا تو اللہ اپنے بندوں کو دیکھ لے گا۔

ہر

اس کو سنبھالے ہوئے نہیں ہے۔ کائنات کو سنبھالنا تو درکنار، یہ بے بس بندے تو اپنے وجود کو سنبھالنے پر بھی قادر نہیں۔ ہر ایک اپنی پیدائش اور اپنے بقا کے لیے ہر آن اللہ جل شانہ کا محتاج ہے۔ ان میں کسی کے متعلق یہ سمجھنا کہ خدائی کی صفات اور اختیارات میں اس کا کوئی حصہ ہے خالص حق اور قرب خودگی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

یعنی یہ سرسرا اللہ کا حکم اور اس کی چشم پوشی ہے کہ اتنی بُری گستاخیاں اس کی جناب میں کی جا رہی ہیں اور پھر بھی وہ سزا دینے میں جلدی نہیں کر رہا ہے۔

لکھ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کے لوگ عموماً اور قریش کے لوگ خصوصاً یہود و نصاریٰ کی بگڑی ہوئی اخلاقی حالت کو دیکھ کر کہا کرتے تھے۔ اُن کے اس قول کا ذکر اس سے پہلے سورہ انعام روایات ۱۵۶-۱۵۷ میں بھی گزر چکا ہے اور آگے سورہ سافات ۱۶۷ تا ۱۶۹ میں بھی آ رہا ہے۔

لکھ یعنی اللہ کا یہ قانون ان پر بھی جاری ہو چکا ہے کہ جو قوم اپنے نبی کو جھٹلاتی ہے وہ تباہ ہو کے رکھ دی جاتی ہے۔